Journal of Islamic Civilization and Culture (JICC)

# JOURNAL OF ISLAMIC CIVILIZATION AND CULTURE(JICC)

Volume 3, Issue 1 (Jan-June, 2020)
ISSN (Print):2707-689X
ISSN (Online) 2707-6903
Issue: http://ahbabtrust.org/ojs/index.php/jicc/issue/view/8
URL: http://ahbabtrust.org/ojs/index.php/jicc/article/view/88/96
Article DOI: https://doi.org/10.46896/jicc.v3i01.88

**Title** Sources of completion of Proof (tmām al-ḥujjah) and Role of Promise of "Am I not (your Lord)" (Aid-e-Alast)

**Author (s):** Farhad Ali, Dr. Rab Nawaz

**Received on:** 29 June, 2019
**Accepted on:** 29 May, 2020
**Published on:** 25 June, 2020

**Citation:** Farhad Ali and Dr. Rab Nawaz, "Construction: Sources of completion of Proof (tmām al-ḥujjah) and Role of Promise of "Am I not (your Lord)" (Aid-e-Alast)," JICC: 3 no, 1 (2020): 136-155

**Publisher:** Al-Ahbab Turst Islamabad

Islamic Research Index
HEC Approved Research and Indexing Agency
INTERNATIONAL Scientific Indexing
ALMANHAL
ASIAN Research Index
Crossref
Click here for more

# اتمامِ حجت کے ذرائع اور "عہدِ الست" کا کردار

# Sources of completion of Proof (tmām al-ḥujjah) and Role of (Promise of "Am I not (your Lord)" (Aid-e-Alast

فرہاد علی*
ڈاکٹر رب نواز**

***Abstract***

***Allah gives human being the ability to find out their Creator and Sustainer and show them the evidence to identify the facts and truth as Allah Says: We will show them Our Signs in the universe and in their own selves until it becomes clear to them that this Quran is the Truth). This article is humble effort to identify the sources and causes of Hidayah, which leads a person to believe in Allah. Is Ahd-e-Alst (Allah covenant with the souls of humans before creation that I am your creator and Sustainer) should be consider a source of Itmam-e-Hujjat (Completion of Proof)? This paper will present and discuss the views and arguments of different scholars and exegetes and the role of this covenant in the reward and punishment of a human being and is this mere "pledge" enough to make a man Muslim or Pagan? We will explain the issues relates to this covenant also.***

***Key words: Guidance, Itmam-e-Hujjat, Sources of Guidance, Ahd-e-Alast***

---

*پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، ہائی ٹیک یونیورسٹی، ٹیکسلا
**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، ہائی ٹیک یونیورسٹی، ٹیکسلا

اللہ کی ذاتِ حق دنیا کی اس عارضی زندگی میں انسان کے لیے ایسے حالات واسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں جن کی بدولت انسان کے لیے تلاشِ حق ممکن ہو اور وہ اللہ کی خالقیت و ربوبیت کا قائل ہو جائے،اللہ فرماتا ہے !(ترجمہ)ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور خود ان کی اپنی جانوں میں یہاں تک کہ ان کے لیے واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔[1] اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت پر دلالت کرنے والی ان نشانیوں کے ذریعہ ذاتِ حق یوں آشکارا ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان کے پاس حق سے انکار کرنے کا کوئی معقول عذر باقی نہیں رہتا،انہی نشانیوں کو''اتمامِ حجت کے ذرائع واسباب'' سے تعبیر کیا جاتا ہے،اس مقالہ میں اتمامِ حجت کے ذرائع و اسباب کی تعیین کی ادنیٰ سے کوشش کی گئی ہے کہ وہ کون کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان پر اللہ کی حجت تا م ہوتی ہے اور انکارِ حق کے اسباب معدوم ہو جاتے ہیں،اتمامِ حجت کے چند ذرائع واسباب تو بغیر کسی اختلاف کے تسلیم شدہ ہیں کہ ان کے ذریعہ حجت تا م ہوتی ہے،البتہ عالمِ ارواح میں ارواحِ انسانیت سے اللہ کی ذات نے جو عہد لیا اور تمام انسانیت سے اپنی خالقیت و ربوبیت کا اقرار کروایا اس عہد سے حجت تام ہو جانا محلِ غور و فکر ہے،اس عہد کی حقیقت کے بارے میں پایا جانے والا مفسرین کا اختلافِ آراء اس موضوع کے بارے میں تحقیق کا جواز فراہم کرتا ہے،اس مقالہ میں اتمامِ حجت کے ذرائع واسباب کی تعیین کرنے کے ساتھ ساتھ ''عہدِ الست'' کو بھی تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے کہ اتمامِ حجت میں ''عہدِالست'' کی حیثیت و کردار کیا ہے؟ اور کیا محض ''عہدِالست'' کی حجیت کسی انسان کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے کافی ہے؟ ''عہد الست'' میں اللہ کی خالقیت کا اقرار کر لینے کے بعد کفر و شرک میں مبتلا شخص کو ''مشرک'' گردانا جاسکتا ہے؟اور یہ عہد مانعِ تکفیر ہے یا نہیں؟

## موضوعِ تحقیق کا تعارف،ضرورت اور اہمیت

اللہ کی ذاتِ حق نے انسان پر متعدد ذرائع سے اپنی حجت قائم فرمائی ہے تاکہ روزِ محشر انسان کے پاس حق کو قبول نہ کرنے کا کوئی بہانہ موجود نہ رہے،اس لئے کہ اللہ کی ذات عادل ہے اور یہ بات اللہ کے عدل کے منافی ہے کہ کسی ایسے انسان کا مؤاخذہ اور گرفت فرمائیں جس پر حق مکمل طور پر واضح ہی نہیں ہوا اور اس پر صراطِ مستقیم مشتبہ رہا،نیز اللہ کی ذات کو بندہ کی توبہ و عذر خواہی از حد پسند ہے اسی لیے انبیا ؑ کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا گیا کہ وہ تبشیر وانذار (خوشخبری سنانا اور ڈرانا) کا کام سرانجام دیں تاکہ کوئی انسان روزِ محشر اللہ کی بارگاہِ عدل میں یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ اے اللہ! مجھ تک تو آپ کا کوئی پیغامِ حق نہیں پہنچا،اگر پیغام ودعوت پہنچتی تو میں ضرور ایمان لانے والوں میں سے ہوتا۔ بخاری میں

ہے کہ اللہ کی ذات کو عذر خواہی از حد محبوب و پسند ہے، لہٰذا اللہ نے انبیاء کو خوشخبریاں سنانے اور عذاب سے ڈرانے کے لیے مبعوث فرمایا۔[2] انسان کے لیے عذر خواہی کے اس باب کو موت تک کھلا رکھا گیا ہے اور جیسے ہی آثارِ موت ظہور پذیر ہوتے ہیں یہ باب بند ہو جاتا ہے۔[3]

اس تحقیق کا آغاز ہم اتمامِ حجت کے ذرائع واسباب سے کرتے ہیں؟ حجت قائم وتام ہونے کا پہلا ذریعہ اللہ کا پیغام کسی انسان تک پہنچ جانا ہے، انبیاءِ سابقین پر نازل شدہ کتب وصحائف اور آپ پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآن اس میں شامل ہیں، چونکہ قرآن اللہ کا آخری اور جامع پیغام ہے اس لیے اس بحث میں صرف "اتمامِ حجت بذریعہ قرآن" کو موضوع بنایا گیا ہے، آئندہ سطور میں ہم نزولِ قرآن کے مقصد کا بیان اس تناظر میں کریں گے کہ اس سے انسانوں پر حجت قائم کی گئی ہے۔

## اتمامِ حجت بذریعہ قرآن

انسان پر اللہ کی حجت کے قیام وتام ہونے کے ذرائع میں سے اولین ذریعہ اللہ کا کلام یعنی قرآن ہے اور متعدد آیاتِ قرآنیہ میں نزولِ قرآن کا اوّلین مقصد لوگوں کی طرف سے پیش کردہ لاعلمی وجہل کے عذر کا دروازہ بند کرنا اور ان پر حجت کو تام کرنا بتایا گیا ہے تاکہ روزِ محشر کوئی انسان اللہ کی بارگاہ میں یہ عذر پیش نہ کرسکے کہ مجھے تو اللہ کی طرف سے کوئی دعوت وپیغام ہی وصول نہیں ہوا، اللہ نے اس کتاب کے ذریعہ اپنی حجت کو قائم فرمادیا اور قیامت تک کے انسانوں پر حجت قائم رکھنے کے لیے اس کو تبدیلی وتحریف سے محفوظ فرمادیا اور اس کی حفاظت کا غیبی انتظام بھی فرمادیا اسی لیے صدیاں بیت جانے کے بعد بھی اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

قرآن کے ذریعہ حجت تام ہونے کے بارے میں خود قرآن میں متعدد آیات کا نزول ہوا ہے، جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں، ارشادِ ربانی ہے: { وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَى مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ }[4]

(اور یہ بابرکت کتاب ہم نے نازل کی پس تم اس کی اتباع کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔ اس لیےکہ تم کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو گروہوں کو ملی تھی اور ہم کو ان طاقاں کی تعلیم سے آگاہی نہ تھی۔ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے بڑھ کر ہدایت یاب ہوتے لو تمہارے پاس تمہارے رب کی دلیل اور ہداہت اور رحمت آچکی ہے۔)

علامہ طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) مذکورہ آیت کی توضیح وتفسیر میں رقمطراز ہیں: اگر نزولِ قرآن نہ ہوتا تو مشرکین

مکہ اللہ کے سامنے ایمان نہ لانے کی یہ حجت و دلیل پیش کرتے کہ ہم سابقہ انبیاؑ پر نازل شدہ کُتب سے استفادہ کرنے سے عاجز تھے، وہ ہماری زبان میں نہ تھیں، نہ ہی ہمیں سابقہ کُتب کا مکلف بنایا گیا تھا، اور مشرکین اس بات کو عذاب سے نجات کے لیے بطورِ حجت و دلیل پیش کرتے، اللہ نے محمدؐ پر قرآن کا نزول فرما کر ان کے اس استدلال کا دروازہ بند فرما دیا۔[5] ایک اور آیتِ قرآنیہ میں اس مفہوم کو یوں واضح کیا گیا ہے: {وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ}[6] (اور اسی طرح ہم نے تیری طرف یہ عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو اہلِ مکہ والوں کو اور اس کے اطراف واکناف کی عوام کو سمجھاوے اور جمع ہونے کے دن سے ڈراوے، جس میں بلا شک وریب ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسری جماعت دوزخ میں ہو گی۔)

اس کے علاوہ بھی متعدد آیات نزولِ قرآن کا مقصد انذار و تبشیر، وعظ و نصیحت اور اتمامِ حجت بیان کرتی ہیں[7]، مثلاً {كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ}[8] (یہ کتاب تیری طرف اس لیے اتاری گئی ہے تاکہ تو ڈراوے اور ایمان داروں کے لیے نصیحت ہو پس تو اس سے دل تنگ نہ ہو۔)

{أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ}[9] (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے پاس سے اس کو بنایا ہے؟ بلکہ وہ تیرے پروردگار کے ہاں سے سچائی کے ساتھ اترا ہے تاکہ تو اس گروہ کو ڈرائے جن کی طرف قبل آپ کے ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ گروہ ہدایت پائے۔) اسی متعلق سورۃ یٰس کی مندرجہ ذیل آیت بھی ہے: {لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ}[10]

(تاکہ تو اس جماعت کو ڈراوے جن کے آباء واجداد نہیں ڈرائے گئے، اس لیے وہ غافل ہیں۔)

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا تاکہ اس کے ذریعہ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو اللہ کے شدید عذاب سے ڈرایا جائے ہیں اور ابھی تک اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی نذیر نہیں پہنچا اور اگر بالفرض کسی نذیر کے مبعوث ہوئے بغیر ہی اللہ ان کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کر سکتے تھے کہ اے باری تعالیٰ ہماری طرف تو کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا جیسا کہ پہلی امتوں کی طرف آیا تھا، اگر ہمیں بھی آپ کی طرف سے ڈرایا جاتا تو ہم ایمان واعمال صالحہ اختیار کرنے میں سابقہ اقوام سے بڑھ چڑھ کر ہوتے، تو اللہ نے لوگوں کے ان اعذار کا دروازہ بند کرنے کے لیے اپنی لاریب

کتاب کا نزول فرمادیا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرایا جائے اور حجت قائم کی جائے۔

**اتمامِ حجت بذریعہ انبیاءؑ**

انبیاءؑ کے ذریعہ اتمامِ حجت کا بیان متعدد آیاتِ قرآنیہ میں موجود ہے اور اس بات کی تصریح ہے کہ انبیاءؑ کو اس خاطر مبعوث کیا گیا تاکہ لوگوں کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ انبیاءؑ کے ذریعہ حجت تام ہونے کے متعلق آیاتِ قرآنیہ مندرجہ ذیل ہیں{ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا }[11](اور ہم عذاب میں گرفتار نہیں کیا کرتے جب تک کسی رسول کو نہ بھیجیں۔) اس آیت کی واضح دلالت ہے کہ جب تک نبی مبعوث نہ ہو حجت قائم نہیں ہوتی اور اللہ ایسے لوگوں کو عذاب میں گرفتار نہیں فرماتے۔

دیگر آیاتِ قرآنیہ میں بھی انبیاء کے مبعوث ہونے کا اہم مقصد حجت قائم کرنا، لوگوں کو بشارتیں سنانا اور بصورتِ نافرمانی و روگردانی اللہ کے عذاب سے ڈرانا بتایا گیا ہے۔ مثلاً{رُسُلًا مُبَشِّرِ ينَ وَمُنْذِ رِينَ لِئَلَّا يَكُو نَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّ سُلِ}[12] ترجمہ: ہم رسول بھیجتے رہے جو خوشخبری سناتے اور عذاب سے ڈراتے ہیں تاکہ بعد آنے رسولوں کے لوگوں کا اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے۔

مندرجہ ذیل آیت سے بھی یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ جب تک نبی مبعوث نہ ہو حجت تام نہیں ہوتی اور اللہ کا عدل یہ ہے کہ اللہ حجت تام ہوئے بغیر اپنے عذاب کی پکڑ اور گرفت میں نہیں لیتے۔ ارشاد باری ہے: { وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولاً يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا[13]}(اور نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا کسی بستی والوں کو یہاں تک کہ بھیج دے اس کے اہم مقام میں ایسا رسول جو ان پر ہماری آیات تلاوت کرے)

حدیثِ مبارکہ میں بھی خود آپؐ کے ذریعہ حجت تام ہونے کا ذکر ہے۔ مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:( وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِى أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ يَهُودِىٌّ وَلاَ نَصْرَانِىٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِى أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ).[14](اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس امت کا ہر یہودی یا عیسائی جس نے میری نبوت و رسالت کے متعلق سنا اور پھر اس دین پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا جو میں لے کر آیا ہوں تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔) اس حدیث میں بھی آخرت کے عذاب کی وعید کو بلوغِ خبر کے ساتھ معلق کیا گیا ہے گویا جس کو خبر نہ پہنچی وہ مستثنیٰ ہو گا۔ اور جس کو آپؐ کی نبوت کی خبر پہنچ گئی اس پر حجت تام ہو گئی اور ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہیں رہی۔ یہ آیات واحادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس شخص تک قرآنِ مجید پہنچ گیا یا اس کو رسول کی خبر پہنچی اور وہ مکلّف

بھی تھا نیز حصولِ علم کے ذرائع بھی اس کے پاس موجود تھے یعنی وہ عاقل و بالغ تھا تو اس پر حجت قائم ہو گئی۔

**اتمامِ حجت بذریعہ ''عہدِالست''**

قرآن و حدیث کے علاوہ اتمامِ حجت کا ایک ذریعہ ''عہدِالست'' بھی ہے، اس عہد سے مراد وہ میثاق وپیمان ہے جو یومِ ازل سے اللہ کی خالقیت و ربوبیت کے بارے میں عالمِ ارواح میں لیا گیا، اور انسان کے نسیان کے سبب اللہ نے اپنی لا ریب کتاب میں اس کی یاد دہانی بھی کرا دی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **{وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُواْ إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ}**

اس عہد کے بارے میں کئی سوالات انسان کے ذہن میں جنم لیتے ہیں کہ اس عہد کے ذریعہ کیسے حجت تام ہو سکتی ہے حالانکہ یہ عہد کسی ذہین ترین انسان کو بھی یاد نہیں، جب یہ کسی کو یاد ہی نہیں تو یہ اتمامِ حجت کا ذریعہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب علامہ قرطبیؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے دیا ہے، علامہ قرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) علامہ طرطوشیؒ سے نقل فرماتے ہیں: یہ عہد اگرچہ انسانوں کو اس زندگی میں یاد نہیں، لوگ اس کو بھول چکے ہیں، اس کے باوجود اس عہد کی وجہ سے اللہ کی وحدانیت و ربوبیت کا معترف ہونا لازمی وضروری ہے اور انسان کے ذمہ ایسی چیز لازم ہو سکتی ہے جو انسان کو یاد نہیں مثلاً کسی کو طلاق دی اور بھول گیا لیکن جب گواہوں نے گواہی دی تو طلاق لازم ہو جائے گی۔[15] علامہ قاضی ثناءاللہؒ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) اس عہد کے بارے میں پائے جانے والے اشکال کا دفعیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ عہد اس دُنیا میں کسی کو یاد نہیں، لیکن مخبرِ صادق کی خبر جس کی سچائی کو معجزات سے ثابت کر دیا گیا ہو اس عہد وپیمان کے وقوع کو ثابت کر دیتی ہے۔[16]

اس عہد کے وقوع کو تسلیم کر لینے کے بعد ایک سوال اس عہد کی کیفیت وصورت کی بابت پیدا ہوتا ہے کہ اس عہد کی کیفیت وصورت کیا تھی؟ مفسرین کی آراء اس بارے میں منقسم ہیں کہ اس عہد کی کیفیت وصورت کیا تھی؟ اور اس اشہاد سے کیا مراد ہے؟ آئندہ سطور میں ہم اس عہد کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

**پہلی رائے (اشہادِ حقیقی)**

پہلی رائے یہ ہے کہ اس اشہاد سے مراد اشہادِ حقیقی ہے جس کی صورت یہ تھی کہ اللہ نے آدمؑ کی تخلیق فرمائی، پھر آدمؑ کی اولاد کو خود آدمؑ سے پیدا فرمایا، اور پھر تسلسل کے ساتھ ہر انسان کو اس کے دنیاوی والد کی پشت سے پیدا کیا

گیا یہاں تک کہ قیامت تک پیدا ہونے والی اولادِ آدم اپنے باپ آدمؑ کی آنکھوں کے سامنے حاضر ہو گئی، مسلمان انسان سفید رنگت میں جب کہ کافر انسان سیاہ رنگت میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ کی خالقیت و ربوبیت کے اعتراف و اقرار کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں اس قدر عقل پیدا فرمادی جس سے وہ یہ سوال وجواب اور عہد و میثاق سمجھ سکیں اور اس اشہاد کے لیے ان میں قوت گویائی کو بھی پیدا فرمادیا گیا، ان سب سے اپنی توحید و ربوبیت کا اقرار و اعتراف کروایا، اور یہ گواہی زبانِ قال سے تھی نہ کہ بزبانِ حال۔ جب ذریتِ آدمؑ سے یہ عہد و پیمان لیا گیا تو اس احد میثاق کے وقت فرشتے بھی بطورِ گواہ حاضر تھے۔[17] اور پھر اللہ نے انبیاءؑ و رسل کے ذریعہ اس عہد کی یاد بھی دلوائی۔

اس رائے کے قائلین میں سے ایک علامہ شنقیطیؒ ہیں وہ اس آیت سے اشہادِ مجازی مراد لینے کی تردید اس طرح کرتے ہیں کہ اشہاد سے اشہادِ حقیقی کے بجائے اشہادِ مجازی مراد لیے جانے کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ نے اس نظامِ کائنات میں اپنی خالقیت و ربوبیت کے جو براہینِ قاطعہ مثلاً آسمان و زمین، شمس و قمر، لیل و نہار و دیگر دلائل آفاقی و انفسی وغیرہ قائم فرمائے ہیں جن سے مجازی اشہاد قائم ہوتا ہے انہی سے حجت تام ہو جائے اور کسی انسان کو بطورِ نبی و رسول مبعوث کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے، حالانکہ آیاتِ قرآنیہ شاہد ہیں کہ جب تک انبیاءؑ و رُسُل کے ذریعہ بشارت و وعید پہنچا نہ دی جائے اللہ عذاب میں گرفتار نہیں فرماتے، متعدد آیات میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ تبشیر و انذار کی ذمہ داری انبیاءؑ کے ذریعہ مکمل ہوئی ہے اور اس سلسلہ میں ''عہد الست'' کو کافی نہیں سمجھا گیا۔[18]

**دوسری رائے (اشہادِ مجازی)**

دوسرا نظریہ اس عہد کی بابت یہ ہے کہ اس اشہاد سے اشہادِ حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ بطورِ تمثیل و تصویر استعمال ہوئے ہیں، انسان کو اپنے خلاف گواہ بنانے سے یہ مراد نہیں کہ انسان نے اپنے خلاف قولاً گواہی دی ہے بلکہ اس اشہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی ربوبیت و خالقیت پر ایسے قطعی دلائل قائم کر دینا ہے جن دلائل سے انکار کی گنجائش انسان اپنے آپ میں نہ پاتا ہو اور جو دلائل یہ واضح کرتے ہوں کہ بے شک وہی مستحقِ عبادت ہے۔ آیت کی اس تفسیر کے مطابق ''قالوا بلیٰ'' کے معنی بھی مجازی ہوں گے کہ انسان نے ان دلائل کی وجہ سے بزبانِ حال اللہ کی خلاقیت و ربوبیت کا اقرار کیا نہ کہ بزبانِ قال۔ قرآن مجید کے دیگر مقامات میں بھی ایسی گواہی کا ثبوت ملتا ہے جو زبانِ حال کے ساتھ ہو مثلاً قرآن مجید میں مشرکین کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: {مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ}[19] (مشرکین کے لیے

جواز نہیں کہ وہ مسجد تعمیر کریں جب کہ وہ اپنے خلاف کفر پر قائم ہونے کی گواہی دینے والے ہیں)

ہم جانتے ہیں کہ مشرکینِ مکہ بھی خود کو "مشرک" نہیں گردانتے تھے بلکہ اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی کی اتباع کرنے والوں میں شمار کرتے تھے اس کے باوجود اللہ کے اس فرمان کی کوئی توجیہ باقی نہیں رہتی کہ انہوں نے بزبانِ حال اپنے شرک کو تسلیم کیا اور اپنے مشرک ہونے کی گواہی دی نہ کہ بزبانِ قال۔

اس کی ایک مثال سورۃ العادیات میں بھی موجود ہے جس میں اللہ نے انسان کی ایک روحانی بیماری "ناشکراپن" اور "کفرانِ نعمت" کا تذکرہ فرمایا اور اس پر خود انسان ہی کی ذات کو گواہ قرار دیا کہ انسان اپنے ناشکرے پن پر گواہ ہے، ارشادِ باری ہے: {وَإِنَّهُ عَلَى ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ[20]} اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ کوئی بھی انسان کفرانِ نعمت و ناشکری کا جرم قبول نہیں کرتا، چہ جائیکہ اپنے خلاف اس بات کی قولی گواہی دے، لہٰذا اس آیت کے یہی معنی ہوں گے کہ انسان بزبانِ حال اپنی ناشکری کا گواہ ہے، اسی طرح زیرِ بحث آیت میں بھی اشہاد سے مراد اشہاد بزبانِ حال ہے کہ اس دنیا میں آجانے کے بعد انسان کو عقل و خرد، فہم و بصیرت، مشاہدِ قدرت میں غور و فکر اور حصولِ تجربات سے اللہ کی ذات کا اتنا یقین ہو گیا کہ گویا اس نے اللہ کی خالقیت و ربوبیت کا اقرار کر لیا اور اپنے خلاف گواہی بھی دے دی۔

مفسرینؒ کا ایک کثیر طبقہ اس اشہاد سے اشہادِ مجازی مراد لیتا ہے، اشہادِ حقیقی کے بجائے آیت سے تمثیل و تصویر کے معنی مراد لینے میں ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ اللہ نے اس اشہاد کو شرک کے معاملہ میں مشرکین کے خلاف حجت بنایا ہے اگر یہ اشہاد ان کے خلاف عالمِ ارواح میں لیا گیا ہے تو اس میں حجت بننے کی صلاحیت نہیں اس لیے کہ اس روز لوگ ذُریّت کی صورت میں تھے اور اس حالت میں کیا گیا عہد کسی کو یاد بھی نہیں اور جو چیز انسان کی یادداشت میں نہ ہو اس سے حجت قائم ہونا ممکن نہیں۔

اگر اس اشہاد کو مشرکین کے خلاف بایں طور حجت بنایا جائے کہ انسان کے نسیان کے باوجود انبیاءؑ و رُسُل نے اس کی خبر دی ہے اور انبیاءؑ کا خبر دینا اس کی حجیت کے لیے کافی ہے تو علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں جواباً فرمایا ہے کہ انبیاءؑ کی خبر سے اس کی حجیت صرف انہی افراد کے لیے ہو سکتی ہے جو انبیاءؑ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں، مشرکین کا تو معاملہ ہی الگ ہے وہ تو انبیاءؑ کو ہر خبر میں جھٹلاتے ہیں، وہ خبر "عہدِ الست" کی ہو یا توحید و رسالت کی، جبکہ اللہ نے اس عہد کو مشرکین کے خلاف بھی ایک الگ اور مستقل حجت بنایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اس سے کوئی ایسی دلیل و حجت مراد ہے جو مشرکین کے نزدیک بھی مسلم ہو، اور ایسی دلیل فطرتِ توحید ہی ہے جس پر انسان کی تخلیق و پیدائش ہوئی ہے۔

صاحبِ تفسیر المنارؒ (متوفی ۱۳۵۴ھ) کی رائے بھی دوسرے قول کی مؤید ہے وہ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے ایک خاص قوم یعنی بنی اسرائیل کے لیے اللہ کی طرف سے ہدایت کے اسباب کا ذکر تھا جس میں انبیاءؑ کو مبعوث فرمانا اور آسمانی کتابوں کو نازل فرمانا شامل تھا، اس آیت میں اللہ نے عام انسانوں کے لیے اسبابِ ہدایت کا ایک جدید انداز سے تذکرہ فرمایا ہے یعنی وہ اسباب جو اللہ نے انسان کی تخلیق میں رکھ دیئے ہیں، مثلاً انسان کی فطرتِ توحید پر پیدائش اور انسان کو عقل کی امتیازی قوت نصیب فرمانا۔[21] صاحب تفسیر المنار نے مذکورہ آیت کی تشریح میں علامہ جرجانیؒ سے ایک عمدہ توجیہ نقل فرمائی ہے[22] جس کا اختصار یہ ہے کہ اللہ کا اپنی مخلوق کے متعلق علم نافذ ہے یعنی زمانہ گذشتہ میں وقوع پذیر ہونے والے تمام حادثات و واقعات اللہ کے علم کے مطابق ہوئے، اور زمانۂ استقبال کے حادثات و واقعات کا صدور بھی اللہ کے علم کے مطابق ہوگا اس لیے کہ کسی چیز کے وجود و وقوع کے بارے میں اللہ کا علم اس چیز کے غیر کے وجود و وقوع سے مانع ہو جاتا ہے، اس بناء پر کلامِ عربی میں ایسے مجازات کا استعمال کثرت سے ہے جن میں ایسے افعال و امور جن کا تحقق و ثبوت ابھی تک نہ ہوا ہو لیکن اللہ کے علمِ سابق کی بدولت ان کا تحقق و ثبوت یقینی ہونے کی وجہ سے ان افعال و امور کو ثابت شدہ اور واقع شدہ امور سمجھ لیا جاتا ہے اور زمانۂ استقبال میں ان افعال و امور کے اس یقینی ثبوت کی وجہ سے ان افعال کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن میں اس طرح کے مجاز کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ اعراف میں جہنمیوں، جنتیوں اور اصحابِ اعراف کی باہمی گفتگو کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس گفتگو کو صیغہ ہائے ماضی سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ ابھی جنت و جہنم کا فیصلہ ہوا ہے نہ ہی جنت و جہنم میں داخلہ ہوا ہے اور نہ ہی جنتیوں اور جہنمیوں کی باہمی گفتگو ہوئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت و جہنم کی باہمی گفتگو کو ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے: وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ[23] وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ[24] بظاہر یہ الفاظ ماضی کے صیغے ہیں لیکن اہل جنت و جہنم کی زمانۂ استقبال میں ہونے والی باہمی گفتگو چونکہ یقینی تھی لہٰذا اس گفتگو کو ماضی کے الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا، گویا کہ ان کی یہ گفتگو ہو چکی ہے، بعینہ اس آیت میں بھی اُدمؑ سے اخراجِ ذریت اور پھر گواہی قائم کرنے سے مراد دنیا میں ترتیب کے ساتھ اپنے اپنے وقتِ مقررہ پر تخلیق و پیدائش اور تخلیق و پیدائش کے بعد بلوغت کی عمر کو پہنچنا ہے جس سے انسانی عقل اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے، اور اس آیت میں بھی ماضی کے صیغے مضارع کے معنی میں ہیں، اور اس آیت کے الفاظ "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ" کی تاویل "وَإِذْ يَأْخُذُ رَبُّكَ" ہے نیز "وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ" کے ماضی کے الفاظ "وَيُشْهِدُهُمْ" مضارع کے معنی میں ہیں، اور یہ اشہاد عقل کی بناء پر ہوتا ہے، جس عقل کی وجہ سے انسان کو مشاہد قدرت میں تدبّر و تفکر کی قوت حاصل ہوتی ہے، انسان کو تجربات حاصل ہوتے

ہیں، نفع و نقصان کا علم حاصل ہوتا ہے، انسان وعد و وعید کو سمجھنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے، جب انسان بلوغت وحنث کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس فہم وبصیرت کے حاصل ہو جانے سے انسان کا اللہ کے ساتھ عہد و میثاق ہو جاتا ہے، اسی عقلی فہم وبصیرت کی وجہ سے انسان یہ بات سمجھ جاتا ہے کہ انسان اپنا خالق نہیں ہے لا محالہ کوئی ایسی قدرت ہے جس نے اس کو عدم سے وجود بخشا ہے، مخلوق میں جو بھی اس حدِ بلوغت کو پہنچ جائے اور اس کی عقل و فہم میں کوئی نقص نہ ہو تو اس کو اللہ کی خالقیت و ربوبیت کا فطرتی علم حاصل ہو جاتا ہے اور یہ فطرتی علم انسان کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح پیوست ہوتا ہے کہ زندگی کے ہنگامہ میں جب کبھی حوادثاتِ زمانہ پیش آتے ہیں تو انسان غیر ارادی طور پر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا لیتا ہے جہاں اس کا خالق اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اور چونکہ عقل ہی فہم وبصیرت کا ذریعہ نیز معرفتِ الٰہی کے حصول کا سبب ہے تو جس شخص کو کامل عقل عطا ہو گئی اس کے متعلق یہ نظریہ قائم کرنا ممکن ہے کہ اس نے اللہ کی خالقیت و ربوبیت کا اقرار کر لیا اگرچہ اس اقرار کا حصول لفظی اور زبانی طور پر نہ ہوا ہو، البتہ جو شخص کامل العقل نہ ہو تو اللہ کے ساتھ اس کا کوئی عہد و پیمان قائم نہیں ہوتا، اسی وجہ سے ایسے اشخاص وافراد کو حدیث میں "مرفوع القلم" (وہ لوگ جو احکامِ الٰہی کے پابند نہ ہوں) گردانا گیا ہے، ارشاد نبویؐ ہے: (تین لوگوں سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے، سونے والے سے حتیٰ کہ وہ جاگ نہ جائے، دیوانے سے حتیٰ کہ اس کو افاقہ نہ ہو جائے، اور بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ نہ ہو جائے)[25]

اسی طرح اللہ کا فرمان{ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ }[26](بے شک ہم نے بارِ امانت سپرد کیا افلاک اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو وہ اس بارِ امانت کے تحمل سے منکر ہو گئے اور اس کے اٹھانے سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا) بھی اس پر دلیل ہے کہ اس عہد و میثاق سے مراد عقل و خرد کا حصول ہے جس کی وجہ انسان اس بارِ امانت کے تحمل کا حق دار ٹھہرا، اور اسی عقل و خرد کے نہ ہونے کی بناء پر آسمان و زمین نے اس بارِ امانت کے تحمل سے انکار کر دیا۔

اس قول کے قائلین میں سے علامہ ابن کثیرؒ بھی (متوفی ۷۷۴ھ) ہیں[27]، وہ فرماتے ہیں: اسی وجہ سے سلف و خلف اس نظریہ کے حامل ہیں کہ اس اشہاد سے مراد انسانیت کی فطرتِ توحید پر پیدائش ہے۔ اپنے اس دعویٰ پر ان تمام آیات واحادیث کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے جن میں انسان کی فطرتِ توحید پر پیدائش کا تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً {فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا}[28](جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس فطرت کی پیروی کرو) اور آپؐ کا ارشاد کہ ہر بچہ کی پیدائش فطرتِ اسلام پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی

یا مجوسی بناڈالتے ہیں۔[29] اس نظریہ کے اثبات میں اُس حدیث کو بھی بطورِ دلیل پیش کیا گیا ہے جس میں '' خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ ''[30] (میں نے جمیع انسانیت کی تخلیق دینِ حنیف پر کی ہے) کے الفاظ وارد ہیں۔

علامہ سید طنطاویؒ (متوفی ۲۰۱۰ء) کی رائے میں بھی اس اشہاد سے اشہادِ مجازی مراد ہے وہ فرماتے ہیں: یہ کلام بطورِ مجاز تمثیلی ہے، کیونکہ اللہ نے انسان کی تخلیق اپنی ذات کی معرفت وایمان کے واسطے فرمائی ہے، اور اللہ نے تمام انسانوں کو بصیرت وبصارت کی وہ قوت مرحمت فرمادی ہے جس کی بدولت انسان کے لیے اللہ کی وحدانیت کا اقرار سہل وآسان ہو گیا ہے، حقیقتاً اخراجِ ذریت اور قول واشہاد نہیں پایا گیا۔[31] صاحبِ کشاف (متوفی ۵۳۸ھ) کی رائے میں اللہ تعالیٰ کا اپنی ربوبیت کا سوال کرنا اور انسانیت کا جواباً اقرار کرنا تمثیل وتخییل کے قبیل سے ہے۔[32] علامہ محمد جمال الدین قاسم الحلاق صاحبِ محاسن التاویل (متوفی ۱۳۳۲ھ) بھی اس سوال وجواب کو تمثیل پر محمول کرتے ہیں[33] صاحبِ روح البیان علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ (متوفی ۱۱۲۷ھ) کی رائے بھی اشہادِ مجازی کی ہے۔[34]

## اشہادِ مجازی کی وجوہِ ترجیح

آیت کے ظاہری الفاظ متعدد وجوہ سے اشہادِ مجازی کی تعیین پر دلالت کرتے ہیں، چند وجوہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں

1. اولین وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس آیت میں اولادِ آدمؑ سے اخراجِ ذریت کا تذکرہ فرمایا، خود آدمؑ سے اخراجِ ذریت کا تذکرہ اس آیت میں نہیں ہے۔
2. **اللہ نے مِن ظُهُورِهِم کے الفاظ استعمال فرمائے جو اس طرف اشارہ کناں ہیں کہ اخراجِ ذریت اولادِ آدم کی ظہر سے کی گئی نہ کہ آدمؑ کی ظہر سے۔**
3. **اللہ نے (ذُرِّيَّتَهُمْ) کے الفاظ استعمال فرمائے ''ذُرِّيَّتَهُ'' کا لفظ مستعمل نہیں ہوا، س آیت میں اولادِ آدم کی ذریت پر اشہاد کا تذکرہ کیا گیا ہے نہ کہ خود آدمؑ کی ذریت پر۔**
4. **اللہ** نے اس آیت میں فرمایا ہے '' وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ '' ان الفاظ کی رُو سے لازمی ہے کہ شاہد کو وہ بات یاد ہو جس کا وہ گواہ بنا ہے جبکہ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ انسان اس جہاں میں آنے کے بعد والے معاملات یاد رکھ پاتا ہے نہ کہ وہ معاملات جو کسی اور جہاں میں در پیش آئے ہوں، لہٰذا اس سے مراد اشہاد حقیقی نہیں بلکہ فطرتِ توحید واسلام پر پیدائش ہے۔

5. اللہ نے اس اشہاد کی حکمت و منطق بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ اقامتِ حجت ہو تا کہ مشرکین روزِ قیامت تقلیدِآباءاور جہالت کا عذر پیش نہ کر سکیں،اور حجت کا قیام بعثتِ انبیاؑء سے ممکن ہوا ہے،نہ کہ اس عہد ومیثاق سے، ورنہ بعثتِ انبیاؑ کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

6. اللہ نے اس عہد کی یاد دہانی قرآن میں اس وجہ سے فرمائی تا کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ''إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ'' سے اپنی غفلت و جہالت کا عذر پیش نہ کر سکیں،اور سب جانتے ہیں کہ آدمؑ کی صلب سے اخراجِ ذریت اور اس وقت کا اشہادِ حقیقی کسی کو بھی یاد نہیں۔لہٰذا اس سے عالمِ ارواح کا عہد مراد لینا ممکن نہیں۔

7. اللہ کا فرمان ''أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ'' دلالت کرتا ہے کہ اگر اللہ اُن کو ارسالِ رُسل اور اقامتِ حجت کے بغیر ہلاک فرماتے تو وہ ان الفاظ کے ذریعہ عذر خواہی کرتے کہ ہم تو غفلت میں پڑے ہوئے تھے اور محض آباءواجداد کی اتباع و تقلید میں شرک میں ڈوب گئے تھے،حالانکہ اللہ نے خود قرآن کے ذریعہ خبر دی ہے کہ اللہ غافلین کو عذاب نہیں دیتا حتیٰ کہ ان کی عذر خواہی کا دروازہ اقامتِ حجت کے ذریعہ بند نہ کر دیا جائے۔

8. قرآن کے دیگر مقامات میں جس اشہاد کا تذکرہ ہے اس سے مراد انسان کا اللہ کی خالقیت و ربوبیت کا فطرتی اقرار ہے اور اسی فطرتی اقرار کی طرف انبیاؑء نے انسان کو متوجہ کیا اور اس سے انحراف سے ممانعت فرمائی،اللہ تعالیٰ نے اسی فطرتی اقرار کی قرآن میں انبیاؑ کی زبانی بارہا یاد دہانی کرائی،اور اس کو انسان کے خلاف بطورِ دلیل و حجت پیش فرمایا،تو معلوم ہوا کہ زیرِ بحث آیت میں بھی اشہاد سے مراد یہی فطرتی اقرار و معرفتِ خداوندی ہے۔

9. اللہ نے آیت کے آخر میں اس آیت میں ذکر کردہ اشہاد کو ''آیت'' قرار دیا ہے کہ ہم اپنی آیات و نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ شرک سے باز آجائیں،اور آیت سے مراد وہ واضح دلیل و برہان ہوتی ہے جو مدلول کو لازم ہو،اور وہ مدلول کو ثابت کرنے سے عاجز و قاصر نہ ہو،اور اللہ کی جتنی آیات ونشانیاں پائی جاتی ہیں ان سب میں یہ بات اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہے کہ ان سے مدلول و مطلوب کا علم حاصل ہو جاتا ہے،ان آیات سے مراد وہ دلائلِ آفاقی وانفسی ہیں جو اطراف واکنافِ عالم اور انسان کی ذات میں پائے جاتے ہیں،انہی آیات میں سے سب سے اہم آیت و نشانی انسانی شعور کا اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ انسانیت مخلوق و حادث ہے،انسان معدوم تھا پھر عدم سے وجود میں آیا،اور یہ محال ہے کہ کوئی چیز پیدا شدہ ہو لیکن اس کے پیدا کرنے والا کوئی نہ ہو،کوئی چیز مخلوق و مصنوع ہو لیکن بغیر خالق وصانع کے۔انسان کا یہ

اقرار ہی وہ فطرت ہے جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور یہ اقرار اکتسابی چیز نہیں ہے، اسی فطرتی اقرار کی طرف زیرِ بحث آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے اور اس کو "آیت" کہا گیا ہے، اس آیت میں عہد و میثاق سے فطرتی اقرار کے بجائے اشہادِ حقیقی مراد لیا جائے تو یہ اتنا مبہم ہے کہ اس کو "آیت" کہنا مشکل امر ہے۔

**مشرکین کے استدلال کی تردید**

اس آیت میں اللہ نے مشرکین کے جوازِ شرک پر قائم کردہ دو استشہادات واستدلالات کو رد فرمایا ہے اور اپنی دو حجتوں کو قائم فرمایا ہے۔

مشرکین کا پہلا استدلال واستشہاد{ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ }ہے کہ ہم تو اس توحید سے غافل و لا علم تھے اللہ تعالیٰ اس کو بایں طور رد فرما رہے ہیں کہ غفلت و جہالت اور لا علم ہونے کا دعویٰ نا قابلِ قبول ہے کیونکہ توحید کا علم فطری ہے اللہ نے ہر انسان میں خالق و مالک کی معرفت پیدا فرما دی ہے، ہر انسان کی تخلیق فطرتِ اسلام پر ہوتی ہے اور اس میں خدا کی ذات کا فطری علم ودیعت ہوتا ہے، یہ فطری علم جیسے مشرک کے خلاف حجت ہے بعینہٖ ایسے شخص کے خلاف بھی حجت ہے جس نے خود کو توحید و شرک کے نظریات سے معطل رکھا اور توحید کا قائل ہوا نہ شرک کا مرتکب۔ اس لیے کہ صانع کا علم فطرتی طور پر ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔

مشرکین کا دوسرا استدلال و استشہاد جس کو اس آیت ِ میثاق کے ذریعہ رد کیا گیا ہے" عذر ِ تقلید" ہے جس کو قرآن نے یوں بیان کیا{ إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِم } کہ ہم تو اس ارتکاب ِ شرک میں محض مقلد تھے اپنے آباء و اجداد کی دیکھا دیکھی اور ان کی تقلید و پیروی میں مشرک ہو گئے ہیں، قصور ہمارا نہیں بلکہ قصور تو ہم سے پہلے لوگوں کا ہے کیونکہ فطرتِ انسانیہ یہی ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر چلتا ہے اور صرف عقائد ونظریات میں ہی نہیں بلکہ لباس و طعام، صنعت و حرفت نیز ملازمت و تجارت میں بھی والدین کی پیروی کرتا ہے، جیسا کھانا والدین کھاتے ہیں عموماً اولاد بھی اسی کھانے کو پسند کرتی ہے یہی حال لباس کا بھی ہے، والد جس پیشہ سے تعلق رکھتا ہوتا ہے اولاد بھی اسی پیشہ کو اپناتی ہے، تاجر کی اولاد تاجر، ملازم کی اولاد عموماً ملازم ہوا کرتی ہے و قس علیٰ ہذا۔ اسی وجہ سے والدین ہی اس اولاد کو یہودی، عیسائی اور مجوسی بنانے کا محرک ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شاہد ہے تو جب یہ اتباع و پیروی فطرتِ انسانیہ ہے اس بناء پر انہوں نے کہا کہ ہم

معذور ہیں اور ہمارے آباء و اجداد شرک کاارتکاب کرنے والے ہیں اور ہم ان کی اولاد ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں تھی جس سے ہمارے آباء و اجداد کی غلطی واضح ہوتی، اس اعتراض و استدلال کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ان میں اپنی خالقیت و ربوبیت کا علم پیدا فرما دیا جو اس شرک تقلیدی کے بطلان کی دلیل ہے مشرکین کا اپنے آباء و اجداد کی فطری اور طبعی اتباع وپیروی کا جواستدلال ہو سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس فطرت و عادت طارئہ سے پہلے ایک فطرتِ سابقہ پیدا فرما دی اور یہ فطرت سابقہ فطرتِ اسلام ہے جو ان کے آباء واجداد کی تربیت سے سابق ہے جس کے ذریعہ ان کا استدلال ہو سکتا تھا۔

مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ جوازِ شرک کے لیے غفلت وجہالت کا عذر پیش کرنا یا اپنے آباء واجداد کی تقلید کا عذر پیش کرنا دونوں عذر ناقابلِ قبول ہیں،اور ان کے ناقابلِ قبول ہونے کی وجہ "عہدِالست" کے ذریعہ پیدا شدہ فطری وضروری علم ہے، لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ کیا "عہدِالست" کی یہ حجت عذاب میں گرفتار کرنے کے لیے کافی ہے؟اگر یہی حجت کافی ہے تو انبیاؑ کو مبعوث فرما کر حجت تام کرنے کی کیا ضرورت در پیش تھی؟آئندہ سطور میں اسی قضیہ کا حل تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

**اتمامِ حجت میں "عہدِالست" کی حیثیت و کردار**

زیر بحث آیت کی سابقہ تقریر کا تقاضہ یہ ہے کہ جب "عہدِالست" ہی معرفتِ توحید اور بطلانِ شرک پر حجت ہے تو اتمامِ حجت کے لیے کسی نبی ورسول کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ اللہ نے "عہد الست" اور اس میثاق کو ارسالِ رُسل اور بعثتِ انبیاؑ کے بغیر حجت قرار دیا ہے لہٰذا جو شخص ایمان نہ لایا تو اس کو مستحقِ عذاب قرار دیا جانا چاہیے کیونکہ اس میثاق کے ذریعہ حجت تام ہو چکی ہے حالانکہ {وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا[35]} میں تصریح ہے کہ ارسالِ رسل کے بغیر اللہ کسی کو عذاب نہیں دیتے۔تدبر و تفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ "عہدِالست" کی وجہ سے انسان پر حجت تام ہو جاتی ہے اور انسان تعطیل(اللہ کے بارے میں کوئی عقیدہ قائم نہ کرنا) اور شرک دونوں صورتوں میں آیتِ میثاق کی وجہ سے مستحقِ عذاب بن جاتا ہے اور ایمان قبول نہ کرنے کا کوئی عذر انسان کے پاس باقی نہیں رہتا،بایں ہمہ اللہ کی کمالِ رحمت و احسان ہے کہ عذاب میں تب تک گرفتار نہیں فرماتے جب تک ارسالِ رُسل اور بعثتِ انبیاؑ کے ذریعہ حجتِ رسالیہ قائم نہ ہو جائے۔

علامہ سید قطب شہیدؒ فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہونے کا ایک عقد و میثاق انسان اور خالقِ انسان کے درمیان ابتدائے آفرینش سے ہو چکا ہے، انسان کے پاس اس عقد و میثاق سے روگردانی کا کوئی حیلہ و جواز نہیں ہے، اس عقد و میثاق اور اس فطرتی علم کے بعد انبیاؑ ورُسُل کو مبعوث فرمائے بغیر بھی حجت قائم ہو چکی تھی لیکن اللہ کی رحمت نے یہ چاہا کہ انسانوں کو ایمان لانے کے لیے محض ان کی فطرت و عقل کے حوالے نہ فرما دیں، اس لیے کہ فطرت بدل جاتی ہے اور عقل کی گمراہی کے امکانات بہت وسیع ہیں، اللہ کی رحمت نے یہ چاہا کہ انبیاؑ ورُسُل کو مبعوث فرمایا جائے تاکہ انبیاؑ کی بعثت کے باوجود ایمان نہ لانے والوں کے پاس ایمان قبول نہ کرنے کے خود ساختہ اعذار معدوم ہو جائیں۔[36]

گویا اللہ کی بندہ کے خلاف دو حجتیں ہیں اور جب تک یہ دونوں حجتیں قائم نہ ہو جائیں اللہ عذاب نہیں دیتے

اول: وہ فطرتِ اسلام اور" عہدِ الست" جس کا انسان نے اقرار کیا اور اسی پر انسان کی پیدائش ہوئی۔

دوم: بعثتِ انبیاء و ارسالِ رُسُل جو انسان کو اس عہد کی یاد دلانے کے ساتھ ساتھ اس کی توضیح بھی فرماتے ہیں۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ "عہدِالست" سے اتمامِ حجت ہو جانے کے باوجود یہ حجت تعذیب کے لیے کافی حجت نہیں، عذاب تب تک نہیں دیا جاتا جب تک انبیاؑ کو مبعوث نہ فرما دیا جائے، لیکن ایک مزید اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا انسان جس کو نبی و رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور وہ کفریہ افعال کا مرتکب ہو جائے تو اس کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے؟ "عہدِ اَلَست" کی حجت عذاب سے مانع ہے تو کیا یہ مانع تکفیر بھی ہے؟ آئندہ سطور میں اسی کا جواب پیش کیا گیا ہے۔

### کیا "عہدِ اَلَست" مانع تکفیر ہے؟

"عہدِ اَلَستُ" اور میثاق کے ذریعہ حجت تام ہو جاتی ہے، یہ حجیت تعذیب کے لیے کافی نہیں ہے عذاب دینے کے لیے حجتِ رسالیہ کا قائم ہونا ضروری ہے لیکن جس شخص سے کفریہ اقوال و افعال کا صدور ہو تو چونکہ میثاق کی حجت اس پر قائم ہے اس بناء پر کافر و مشرک ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا قرآن کی متعدد نصوص بتاتی ہیں کہ انبیاؑ کے ذریعہ دعوت پہنچنے اور حجتِ رسالیہ قائم

ہونے سے پہلے اسی میثاق و" عہد الست " کی حجت کی وجہ سے کفر و شرک کا حکم لگایا گیا، مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں۔

**آیت نمبر ا:** {وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلاَمَ اللهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَعْلَمُونَ}[37]

ترجمہ: اور اگر ان مشرکین میں سے کوئی آپ سے امان طلب کرے تو اس کو امان دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے، پھر اس کو محفوظ مقام تک پہنچا دو، یہ اس لیے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو جانتے نہیں)

اس آیت میں اللہ اپنے نبی سے مخاطب ہیں کہ جن مشرکین کے ساتھ آپ ﷺ کو قتال کا حکم ملا ہے حرمت اور قتال کی ممانعت کے مہینے گذر جانے کے بعد ان میں سے کوئی امان کا مطالبہ کرے تا کہ وہ کلام اللہ سن سکے تو اس کو امان دے دیں اور اس امان مل جانے کے بعد بھی وہ اسلام کی صداقت و حقانیت کا معترف نہ ہو تو اس کو اس کی جائے امان واپس بھیج دیا جائے تا کہ وہ اپنے مشرکین سے جا ملے اور یہ امان دینا اور اسلام کی صداقت و حقانیت کا قائم نہ ہونے کی صورت میں اُن کو جائے امان واپس بھیج دینا اس لئے ہے کہ وہ جہل میں مبتلا ہیں اللہ کی حجت کو نہیں سمجھتے اور ان کو معلوم نہیں کہ اسلام کی حقانیت کا معترف ہو جانے کی صورت میں ان کے لیے کیا کیا انعامات ہیں۔

علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں: امان کا حکم دینا اور پھر امن کی جگہ پہنچانے کا حکم اس لیے ہے کہ وہ جاہل ہیں لہٰذا ان کو امان دینا لازمی و ضروری ہے تا کہ وہ کلام اللہ سن کر حق کو سمجھ سکیں اور ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔[38]

اس نصِ قرآنی میں ایسے جہلاء پر شرک کا حکم لگایا گیا جنہوں نے ابھی تک قرآن کو سنا ہی نہیں، اور اسی سماعتِ قرآن کے لیے ان کو پناہ دینے کا حکم وارد ہوا، ان کو "مشرکین" کے الفاظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اگرچہ انبیاؑء کے ذریعہ ان پر حجت قائم نہیں ہوئی لیکن "عہد الست" اور عقل و شعور کی وجہ سے ایک حجت قائم ہو چکی ہے اور یہ حجت کسی بھی طرح کفر و شرک کا جواز فراہم نہیں کرتی۔

**دلیل نمبر ۲:** {لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ}[39]

ترجمہ: وہ لوگ جو مرتکبِ کفر ہیں اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے، اپنے کفر سے رکنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان تک دلیل آ پہنچی۔

اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین بت پرستی اور اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے پاس" بیّنہ" پہنچ گئی بینہ سے مراد محمدؐ ہیں[40] جنہوں نے اہلِ کتاب و مشرکین کے سامنے ان کی ضلالت و گمراہی کو بیان کیا اور ان کے جہل کو واضح کیا، یا اس "بینہ" سے مراد قرآن ہے۔[41] "حتّیٰ تأتیھم" اگرچہ مستقبل کا لفظ ہے لیکن اس کے معنی ماضی کے ہیں۔اس آیت میں بھی اہلِ کتاب کے لیے کفر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور مشرکین کے لیے بھی شرک کے الفاظ مستعمل ہوئے معلوم ہوا کہ وہ بعثتِ نبی اور حجتِ قرآنیہ سے قبل بھی کافر و مشرک تھے۔

**دلیل نمبر۳:** { هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنهُمْ يَتْلُو عَلَيهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ[42]} ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے بھیجا لاعلم لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے، جو تلاوت کرتا ہے ان پر آیات اس کی، اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو سکھلاتا ہے کتاب و حکمت، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

آیتِ مذکورہ بالا میں بھی اللہ نے آپؐ کی بعثت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگ بعثتِ نبی سے پہلے ضلالت و گمراہی میں تھے حالانکہ نبی سے پہلے ان کے لیے ہدایت کا وضوح نہیں ہوا تھا لیکن اس کے باوجود اللہ نے ان پر گمراہ ہونے کا حکم لگایا۔

**دلیل نمبر۴:** اللہ نے قرآن میں فرعون کے متعلق مختلف مقامات پر مختلف الفاظ ارشاد فرمائے ہیں مثلاً ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے[43] دوسرے مقام پر فرمایا کہ اس نے طغیان و سرکشی اختیار کر رکھی ہے[44] اور زمین میں فساد پھیلا رہا ہے[45] وغیرہ ،یُوں فرعون کو سرکش، مفسد فی الارض اور "عدوُّاللہ قرار دیا گیا، اور یہ تمام القابات بلوغِ دعوت اور حجتِ رسالیہ قائم ہونے سے پہلے ہیں کہ ابھی فرعون پر بذریعہ موسیٰ حجت قائم نہیں ہوئی اور نبی کی دعوت نہیں پہنچی، بلکہ فرعون کے انہی جرائم کی بناء پر موسیٰؑ کو تبلیغِ فرعون پر مامور کیا گیا، اور فرعون کی یہی طغیانی و سرکشی، خدا دشمنی اور برپائے فتنہ و فساد نبیؑ کی بعثت کے اسباب بنے ہیں، فرعون کے بارے میں قرآن کے یہ الفاظ جہاں فرعون کی سرکشی و نافرمانی کی خبر دیتے ہیں وہیں یہ الفاظ اس طرف بھی اشارہ کر رہے ہیں کہ نبی و رسول کے ذریعہ حجت تام ہونے سے پہلے بھی کسی شخص کو سرکش، مفسد فی الارض اور عدوّاللہ قرار دیا جا سکتا ہے، اگر کفر و شرک کا ارتکاب پایا جائے گا کافرانہ اقوال و افعال کا صدور ہو گا تو کفر کا حکم لگا دیا جائے گا البتہ یہ کفر و

شرک موجب ِ عذاب ِ نار نہیں ہوگا جب تک نبی ورسول کو مبعوث فرما کر حجت قائم نہ کردی جائے۔

ان دلائل سے یہ قانون اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص بھی دینِ اسلام سے انحراف کرکے کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا، البتہ عذاب میں اسی شخص کو گرفتار کیا جائے گا جس پر بذریعہ نبی و وحی حجت تام ہوگی علامہ جوزیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔[46]

## نتائج بحث

ان تمام ابحاث کے بعد اس تحقیق سے مندرجہ ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں

- انسان پر نزولِ قرآن اور بعثتِ انبیاءؑ کے ذریعہ اللہ کی حجت قائم و تام ہو جاتی ہے۔
- عالمِ ارواح میں تمام ارواحِ انسانیت سے لیا گیا عہد "عہد الست" بھی اتمامِ حجت کا ایک ذریعہ ہے۔
- اس عہد و اشہاد سے حقیقی طور پر عہد لینا اور حقیقی طور پر انسان کا اپنے خلاف گواہ بننا مراد نہیں بلکہ یہ محض تصویر و تمثیل ہے، اور اس سے مراد انسان کی فطرتِ توحید پر پیدائش ہے، اس دنیا میں دنیاوی والدین کے ذریعہ اپنے اپنے وقت و مقام پر زندہ ہونے کے بعد عاقل و بالغ ہونے کی صورت میں دلائلِ قدرت کا مشاہدہ کر لینے سے اللہ سے عہد ہو جاتا ہے۔ اور یہی عہد "عہد الست" ہے۔
- "عہد الست" کے ذریعہ اللہ نے ایمان نہ لانے کے لاعلمی و جہل اور تقلیدِ آباء و اجداد کے عذر کا سدِ باب فرما دیا ہے۔
- "عہدِ الست" سے اتمامِ حجت ہو جانے کے باوجود یہ حجت عذاب میں گرفتار کرنے کے لیے کافی نہیں، عذاب اس وقت دیا جاتا ہے جب انبیاءؑ کو مبعوث فرما دیا جائے، یہ اللہ کا محض فضل و احسان ہے کہ "عہد الست" کے ذریعہ حجت قائم ہو جانے کے باوجود اس وقت تک مؤاخذہ نہیں فرماتے جب تک انبیاءؑ کو مبعوث نہ فرما دیں۔

"عہد الست" کے ذریعہ حجت قائم ہو جانے کے بعد کفریہ اقوال و افعال صادر ہونے کی صورت میں کفر کا حکم لگا دیا جائے گا البتہ یہ کفر و شرک موجب ِ عذاب ِ نار نہیں ہوگا جب تک نبی و رسول کو مبعوث فرما کر حجت قائم نہ کردی جائے۔ "عہدِ الست" مانعِ تکفیر نہیں ہے۔

## حوالہ جات

## References

1. Al Fusalat: 53

2. Muhammd bin Ismail al Bukhari, shaih al bukhari, hadith no 7416
3. Muhmmad bin Eisa bin Muhammad, sunan al tirmizi, hadith no 3537
4. Al Ana’m:155-157
5. Muhammad bin Jurir bin Yazid, al Tabari, jamia’ al bayan fi t’awil al Quran, v12, p 241
6. Al Shora:7
7. Al Ahqaf:12
8. Al Aaraf:2
9. Al Sajda:2,3
10. Yaseen:6,7
11. Bani Israil:15
12. Al Nisa:165
13. Al Qasas:59
14. Muslim bin al Hajjaj bin Muslim,al jamia’ al sahih, Sahih Muslim, darul Jail, Beirut, v1, pp. 93
15. Qurtabi, Muhammad bin Ahmad bin Abibakr, tafseer Quratabi, v7, pp. 313, darul kutub al misriaya
16. Qazi sanullah pani patti, tafseer al mazhari, v3, pp. 429, maktabatul rashidia, Pakistan, 1412h
17. Muhammad bin Umer Novi, Murah labid lil kashaf ma’na al Quran, v1, pp. 406, darul kutub al Ilmia, Bierut, 1417h
18. Al Taha:134
19. Al Toba: 17
20. Al A’diat:6
21. Muhammad Rashid bin Ali, tafseer al Quran al Hakim, v9, pp. 325, 1990
22. Tafseer al manar, v9,pp. 334, 1990
23. Al Aa’raf: 50
24. Al Aa’raf:44
25. Abu Dawood, sunan Abi Dawood, bab fil qata’ fi al a’ariba, hadith no 4398
26. Al Ahzab:72
27. Ibn e Kathir, Ismail bin Umer bin Kathir, Tafseer e ibn e Kathir, v3, pp. 500, dar Tayyibal lil nashar, 1999
28. Al Room:30
29. Al Bukhari, Muhammad bin Ismail, sahih al bukhari, hadith no 1385
30. Muslim bin al Hajjaj, Sahih Muslim, hadith no 2865
31. Tantavi Muhammad Syed, al tafseer al wasit al Quran al karim, v5, pp. 33, dar nahza misar lil tabaa’, Cairo, 1997
32. Al kashaaf an haqaiq ghawamiz al tanzeel, v2, pp. 76, darul kutub al Arabi, Beirut, 1407h
33. Mahsin al t’awil, v5, pp. 217, darul kutub al ilmia, Beirut, 1418

34. Rooh al bayan, v3, pp. 273, darul fikar, Beirut
35. Al Asra:15
36. Syed Qutub Ibrahim Husain, Tafseer fi zilal al Quran, v3, pp. 1391, darul shorooq, Beirut, 1412h
37. Al Toba:6
38. Abu Saood, Tafseer Abu al Saood, v4, p 44, dar ihya al Turath al Arabi, Beirut
39. Al Bayyina:1
40. Qurtabi Muhammad bin Ahmad, al jamia' li ahkam al Quran, v20, p 140, darulkutub al misria, 1384h
41. Tibri, Muhammad bin Jarir, Jamia' al bayan fi t'awil al Quran, v24, pp. 539, Moassasat al risala, 1420h
42. Al Juma'a:2
43. Al Taha:39
44. Al Nazia'at:17
45. Al Qasas:4
46. Al Jawzi Muhammad bin Abi Bakar, tariq al hijratin wa bab al saa'datin, pp. 413, darul salfia, Cairo, 1392h